R. No. 2186/57

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29

Annual Rs. 4/-

Per Copy-12 P.

جلد ۲۶ - شمارہ ۱۶

ایڈیٹر: آل احمد سرور

۲۲ر اپریل ۱۹۶۷ء

اداریہ

اقبال اور ہم

اقبال کے انتقال کے انتیس سال بعد آج یہ بات خاصی یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اقبال کی قدر و قیمت بہت ہوئی مگر ان کے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ [illegible] انصاف کی ضرورت جتنی آج ہے اتنی کبھی نہ تھی۔

آزادی کے بعد ہندوستان میں اقبال کی اہمیت کو نظر انداز کیا گیا اور پاکستان میں ان کو ایک سیاسی مصلحت بنا لیا گیا اور ان کی شاعری کو بھی عموماً اسی نقطۂ نظر سے دیکھا گیا۔ اقبال کے سلسلے میں یہ باتیں بنیادی اہمیت نہیں رکھتیں کہ فلسفے میں ان کا کیا مقام ہے، سیاست میں ان کا کیا کارنامہ ہے، مسلمانوں کے لیے انھوں نے کیا کیا ہے اور غیر مسلموں کے لیے کیا نہیں کیا۔ بنیادی اہمیت اس بات کی ہے کہ وہ ایک بڑے شاعر ہیں اور ان کی شاعری میں عظمت اور آفاقیت دونوں ہیں۔

کبھی کبھار شاعر خود اپنے کلام کا بہترین نباض نہیں ہوتا۔ اقبال نے جب یہ کہا کہ لوگ مجھ سے آب و رنگِ شاعری کا مطالبہ کرتے ہیں میں انھیں شکوہِ خسروی دیتا ہوں اور تختِ کسریٰ ان کے قدموں میں ڈال دیتا ہوں، تو اقبال نے اپنے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا۔ شاعری اپنی قیمت آپ ہے۔ اگر وہ شکوہِ خسروی دیتی ہے یا نہیں دیتی تو دونوں صورتوں میں اس کی خوبیاں یا خامیاں دیکھی جاتی ہیں، مگر اقبال نے جب آنکھ کھولی تو سرسید کی تحریک کے اثر سے ہندوستان میں مقصدیت کی ایک لہر بلند ہو چکی تھی۔ اقبال سرسید اور حالی کے اثرات سے کیسے آزاد ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ان کی شاعری میں بیسویں صدی کے آغاز سے کر اس کی تیسری دہائی تک کے تمام مشرقی اور مغربی افکار و اقدار اور تحریکات و میلانات ملتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اقبال کے یہاں وقتی اور ہنگامی پہلو بھی ہیں مگر ان کی عظمت کا راز یہ ہے کہ انھوں نے شاعری کی تخصیص نظر سے کام لے کر ان وقتی اثرات کو بھی ایک آفاقی اور عالمی پس منظر میں دیکھا ہے۔ پھر ان کا فن ان کی فکر کے سارے پہلوؤں کی عکاسی کر سکتا ہے اور اس فکر میں ایک ایسی گرمی ہے جو خلوص اور پختہ عقیدے سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی اقبال کے الفاظ میں خونِ جگر نے فن کو معجزہ بنا دیا ہے۔

اقبال نے مشرق و مغرب دونوں کے فلسفیوں اور صوفیوں سے فیض اٹھایا ہے مگر یہ بھی ان کی بڑائی نہیں ہے بلکہ بڑائی یہ ہے کہ ان کی شاعری میں فلسفہ جذبہ بن کر آتا ہے۔ فلسفہ نہیں معلوم ہوتا۔ اقبال اردو شاعری کی ساری روایت کا امین ہے اور اس کے ساتھ مغربی ادب کے معیاروں سے بھی آشنا ہے۔ وہ فن کے مزاج کو جانتا ہے۔ اس نے فارم پر فتح حاصل کی ہے۔ وہ جوش یا بعض دوسرے شعرا کی طرح الفاظ کے انبار لگانے کا قائل نہیں ہے۔ ہر لفظ بے مثل فن کاری کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنا پورا جادو جگاتا ہے۔ بلاشبہ بالِ جبریل اس کا شاہکار ہے اور مسجدِ قرطبہ، ساقی نامہ اور لینن اس کی بہترین نظمیں، مگر بانگِ درا کے گہرے مطالعے کے بغیر بالِ جبریل کی عظمت صحیح واضح نہیں ہو سکتی۔ اقبال ایک باشعور فن کار ہے، اسے اپنے فن میں برابر ترقی کرنا بھی آتا ہے۔ چنانچہ بانگِ درا میں بہت سی نظموں کی آخری شکل اور ان نظموں کی ابتدائی صورت میں بڑا فرق ہے۔ اقبال سے صحیح معنی میں اردو شاعری میں نظم کا سلیقہ آتا ہے اور اقبال نے بھی خاصی محنت سے یہ فن سیکھا ہے مگر اس کا کمال یہ ہے کہ اس نے نظم پر زور دینے کے باوجود غزل کو نہیں چھوڑا اور اسے بھی بدل کر رکھ دیا۔ بالِ جبریل میں حکیمانہ شاعری کے بعد اس نے حکیمانہ نکتہ سنجی کا ایک اور آرٹ ضربِ کلیم کے ذریعے سے پیش کیا۔ اس نے اردو شاعری کی رگوں میں تازہ خون دوڑا دیا، اس کے ذریعے سے آدم کو آدابِ خداوندی سکھائے، مشرق کو مغرب کی مدد سے نئی مشرقیت بخشی۔ وہ اردو کا بہت بڑا شاعر ہے اور میر، غالب، انیس انھیں کی صف میں ہے۔

مگر آج اقبال کی شاعری کی تقلید نہ ممکن ہے نہ مناسب۔ زندگی بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ اقبال کا فکر و فن ہمارے لیے آج بھی بڑی مسرت اور بصیرت رکھتا ہے مگر اس دور کے درد و داغ اور سوز و ساز کو شعر میں ڈھالنے کے لیے اقبال کا فن ہماری مدد نہیں کر سکتا۔ ہمیں اس کے لیے زیادہ سادہ، زیادہ حرفی سے قریب، اور بول چال کے مطابق ہموار کنایاتی اور علامتی ہونا پڑے گا اور خاصی بے باک حقیقت نگاری کی ضرورت ہوگی۔ خطابت یا حکمت دونوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ کبھی سرگوشی کے انداز میں باتیں کرنی ہوں گی، کبھی خود کلامی کے لہجے میں، کبھی اپنے آپ سے کچھ سوال کرنے ہوں گے

کبھی دو یا تین صدیوں کو یک جا کرنا ہوگا۔ آدم کو آدم بننے میں وقت لگا۔ ہم کو آدم بننے اور خود اپنی اندری کھانی سے پہلے آدم کا اپنے آپ کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس دور میں سب سے اہم کام اس آدمی کی تلاش ہے جس کے پیچھے پانچ ہزار سال کی تہذیب کی تاریخ اور بہت پہلے کے جانور کی بھی کہانی ہے۔ اس کام میں میر، نظیر، غالب، اقبال سبھی سے ہمیں مدد ملے گی اور ان سب کی مدد سے اردو شاعری کا نیا لہجہ اور نیا آہنگ متعین ہوگا۔ اقبال اپنی زندگی میں ہی کلاسیک عظمت کے حامل ہو چکے تھے اور کسی کلاسک سے ہم کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتے، مگر کلاسک کو پیر تسمہ پا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ہمیں فکر و فن کے چراغ دیتا ہے جس کی مدد سے ہم اپنے چراغ روشن کر سکتے ہیں۔

عربی، فارسی، سنسکرت کے علما کو صدر جمہوریہ نے اعزاز کی سند عطا کی

نئی دہلی۔ صدر جمہوریہ نے سنسکرت کے تین، عربی کے ایک اور فارسی کے ایک عالم کو اعزاز کی سند عطا کی ہے۔

عربی میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی کو، فارسی میں قاضی سجاد حسین اور سنسکرت میں ڈاکٹر وسدیو وشنو مراتی، پنڈت سوم شیکھر شاستری اور مسٹر جیو یادھیا کو یہ سند عطا کی گئی ہے۔ (قومی آواز)

عالمی شاعری کے روسی تراجم کا مجموعہ

ماسکو۔ ایک نیا مجموعۂ کلام ماسکو میں شائع کیا گیا جو ساری دنیا کے شاعروں کے منتخب کلام پر مشتمل ہے۔ گزشتہ سو برس کے دوران روسی مترجمین نے جو تراجم کیے ہیں، یہ مجموعۂ کلام ایک لحاظ سے ان کا خلاصہ ہے۔ اس مجموعۂ کلام میں ۱۹ویں صدی کے شعرا مثلاً ورسیلی ژوکووسکی کی تخلیقات بھی شامل ہیں جنہوں نے ہومر، بائرن اور فردوسی کے کلام کا ترجمہ کیا تھا۔ اس ایڈیشن میں دور جدید کے ایسے تمام سوویت مترجمین کے تراجم شامل ہیں جنہوں نے غیر ملکوں کے شعرا کے کلام کا ترجمہ کیا ہے۔ ان میں ۵۰ سالہ شاعر کورنی چکووسکی سے نوجوان شاعر ایجینی سولونو وچ تک سب شامل ہیں جنہیں دانتے کے ترجمے پر اٹلی میں انعام دیا گیا ہے۔

منظوم تراجم کے سوویت مکتب کو بلند مقام حاصل ہے جس کا اوہیوں کے بین الاقوامی اجتماعوں میں کئی بار اعتراف کیا گیا ہے۔ اس کی کامیابی کی مثال ہیرچن کے ناموں سے وابستہ ہیں جن میں انا اخماتووا، نکولائی تخونوف، بورس پاسترناک اور سامیول مارشک شامل ہیں۔

حالیہ برسوں میں جن کتابوں کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ پابلو نیرودا اور حیات کے مجموعہ کلام ہیں جن کا بالترتیب میخائیل کرسوتت اور ولادیمیر درژاوِن نے ترجمہ کیا ہے۔

سوویت اتحاد کے قیام کے بعد سے اب تک ۵۰ زبانوں کی تقریباً ۲۵ ہزار کتابوں کے سوویت یونین کے عوام کی مختلف زبانوں میں ترجمے کیے گئے۔ ان کتابوں کے سو کروڑ نسخے شائع کیے گئے ہیں۔ فرانسیسی ادب کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ فرانسیسی زبان کی ۵ ہزار کتابوں کے ترجمے کیے گئے۔

ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی زبانوں سے ترجمہ کی ہوئی کتابوں کی تعداد میں حالیہ برسوں میں قابل لحاظ اضافہ ہوا ہے۔

ریاستی انعام کیلئے کتابیں داخل کرنے کی آخری تاریخ

لکھنؤ۔ حکومت یو۔پی نے اردو، ہندی اور سنسکرت کی کتابوں پر انعامات دینے کے لیے کتابیں جمع کرنے کی آخری تاریخ ۳ مئی ۷۰ء رکھی ہے۔

صرف وہ کتابیں جمع کی جائیں جو یکم جنوری ۶۹ء اور ۳۱ دسمبر ۶۹ء کے درمیان شائع ہوئی ہوں۔

تخلیقات یا تراجم پر یہ انعام ملیں گے۔ یہ کتابیں ادب، قانون، فلسفہ، اور تاریخ کے موضوعات پر ہونا چاہیے۔

جس موضوع پر اعلیٰ معیار پر کتابیں موصول نہ ہوں گی اس پر انعام نہ دیا جائے گا۔

اردو کتابوں پر ۵ ہزار روپے کا غالب انعام، ۲ ہزار روپے کا الہ آبادی انعام اور ۱۵ سو روپے کا رام پرشاد بسمل انعام دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متفرق کتابوں پر ۵ سو کے ۵ انعام دیے جائیں گے۔

انعام کے لیے ہر کتاب کے ۵ نسخے سکریٹری پرشد ریاستی ایجوکیشن سی II ڈیپارٹمنٹ، کونسل ہاؤس لکھنؤ کو ۳ مئی ۷۰ء تک موصول ہو جانا چاہیے۔

ہر کتاب پر تاریخ اشاعت، انعام کا نام جس کے لیے کتاب پیش کی گئی ہے اور مصنف کا نام اور پورا پتہ درج ہونا چاہیے۔

مصنف کو اس بات کا سرٹیفکیٹ بھی داخل کرنا ہوگا کہ اس کتاب کی تیاری اور اشاعت کے لیے حکومت اترپردیش سے اس کو کوئی مالی امداد نہیں ملی ہے۔

(قومی آواز لکھنؤ)

"شہر نگاراں" شائع ہو گئی

اس کتاب میں حیدرآباد دکن کی گراں مایہ شخصیتوں کے علمی، ادبی، تہذیبی اور ثقافتی نقوش، حسین یادوں اور یادداشتوں سے مزین ... مرقع جس میں مولانا محمد علی جوہر، نواب بہادر یار جنگ، مسز سروجنی نائیڈو، بابائے اردو مولوی عبدالحق اور قاضی عبدالغفار جیسے رہنماؤں کے علاوہ بہت سی دیگر عظیم شخصیتوں کا تذکرہ ہے۔ قیمت ۵ روپے۔ انجمن طلبا قدیم جامعہ عثمانیہ کی پہلی مطبوعہ پیشکش عشاق بک ڈپو، شیلڈن روڈ کراچی، مغربی پاکستان سے منگوائی جا سکتی ہے۔

تحریر امتیاز ایم۔ اے

تاشقند یونیورسٹی میں اردو طریقۂ تعلیم

سوویت یونین کے طالب علم مسٹر اسماعیل روزلیف، اردو میں تحقیقی کام کے سلسلہ میں روسی حکومت کی جانب سے عثمانیہ یونیورسٹی میں پچھلے چند مہینوں سے مقیم ہیں ذیل میں موصوف سے ایک انٹرویو دیا جا رہا ہے۔

سوال:- تاشقند کے علاوہ روس کے کن شہروں میں اردو تعلیم کا انتظام ہے؟

جواب:- ماسکو، باکو اور لینن گراڈ کی یونیورسٹیوں میں بھی اردو پڑھائی جاتی ہے۔ یہاں پر اورینٹل انسٹی ٹیوٹ ہیں۔

سوال:- یہ بتایئے کہ تاشقند یونیورسٹی میں کتنے شعبۂ فیکلٹی ہیں، اور اردو کا کس فیکلٹی سے تعلق ہے؟

جواب:- تاشقند یونیورسٹی میں جملہ گیارہ فیکلٹیز ہیں اردو کا تعلق اورینٹل فیکلٹی ORIENTAL FACULTY سے ہے۔

سوال:- اچھا بتایئے اردو ہندی میں ہر سال کتنے طلبہ داخلہ لیتے ہیں؟

جواب:- دونوں میں کم و بیش پچاس یا ساٹھ طالب علم ہوتے ہیں۔

سوال:- آپ کے یہاں اردو کے ماہر تعلیم کون ہیں۔؟

جواب:- یوں تو بہت سے لوگ اردو سے واقف ضرور ہیں لیکن جن حضرات نے اردو کی صحیح معنوں میں خدمت کی ہے۔ ان میں محمد جانف، اسکولیف، مس تمرا خواجہ مجیوف، تمرا بیجیا یوتھ اور سونیا چرانکو صاحبان خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ویسے ہندوستان سے ہر سال (VISITING PROFESSORS) وزیٹنگ پروفیسر آتے ہیں جیسے پچھلی بار پروفیسر قمر رئیس دلی یونیورسٹی سے آئے تھے

سوال:- کتنی میعاد کے بعد آپ کو ڈگری دی جاتی ہے؟

جواب:- پانچ سال تک پڑھنے کے بعد چار سال تک تو دیں تعلیم دی جاتی ہے۔ البتہ چھٹے سال عملی کام کرکے انھیں ہندوستان بھیجا جاتا ہے جہاں اردو جیسی شیریں زبان نے جنم لیا ہے۔

سوال:- آپ کے ہاں ہفتہ میں کتنی کلاسیں ہوتی ہیں؟

جواب:- ہفتہ میں چار کلاسیں ہوتی ہیں۔ جن میں ہندوستان کے ممتاز مشہور ادیبوں و شاعروں کی تخلیقات یا کاوشیں پڑھائی ہیں مثلاً رامائن، کالی داس کی شکنتلا سے لے کر ہم نے موجودہ دور کے شعراء اور ادیبوں کو بھی پڑھا ہے۔

سوال:- اس خصوص میں آپ کسی پروفیسر کا نام بتا سکتے ہیں جن کی ہندوستانی ادب پر گہری نظر ہو؟

جواب:- جی ہاں! محترمہ پروفیسر سوانکو ہندوستان کے ادب عالیہ پر عبور حاصل ہے بعض اوقات تو گمان ہوتا ہے گویا یہ ہندوستانی ہیں۔

سوال:- اردو کتنے گھنٹے پڑھائی جاتی ہے؟ اور ان گھنٹوں کی کیا نوعیت ہوتی ہے؟

جواب:- روز دو گھنٹے تک تعلیم دی جاتی ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ پروفیسر کلاس میں آنے کے بعد پچھلا لیکچر جو دیا جا چکا ہے اس پر سوالات کرتے ہیں اور طلبہ حتی الامکان جواب دینے کی سعی کرتے ہیں پھر اس کے بعد طلبہ کے ہوم ورک کا جائزہ لیا جاتا ہے ان کی غلطیاں بتلائی جاتی ہیں اور انھیں ٹھیک کرنے کو کہا جاتا ہے۔

سوال:- اردو تلفظ کو ٹھیک سے ادا کرنے میں آپ کو بڑی دقت درپیش ہوتی ہوگی؟

جواب:- جی کوئی خاص دقت تو پیش نہیں آتی اس کا بھی شعبہ اردو تاشقند نے خاص انتظام کر رکھا ہے۔ ایک بڑے سے ہال میں ہم کو لے جایا جاتا ہے جہاں ہر اقسام کے ریکارڈ اور ٹیپ ہوتے ہیں جن میں ڈرامے اور کہانیاں اور تقاریر ہوتے ہیں انھیں بجایا جاتا ہے۔ کہ انھیں غور سے سنیں اور ساری توجہ تلفظ کی جانب ہی مبذول کریں پھر اس کے ساتھ ساتھ ہم بھی کوشش کرتے ہیں کوشش اس بات کی کی جاتی ہے کہ تلفظ ہو بہو ادا ہو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم کوئی نظم یا کہانی ٹیپ اپنی آواز میں کر لیتے ہیں پھر اس کو اصل ریکارڈ سے جس کی کہ ہم نے مشق کی ہے ملا کر سنتے ہیں یا تقابل کرتے ہیں۔

سوال:- علاوہ ازیں کوئی اور ذریعہ بھی ہو سکتا ہے جس کی مدد سے آپ کو سننے اور سیکھنے میں مدد ملتی ہو؟

جواب:- جی ہاں کیوں نہیں۔ اس ضمن میں یہاں پر تیار کی ہوئی اردو میں نیوز ریلوں کی نمائش ہوتی ہے جس میں کہ ہندوستان کی ترقیاتی اسکیموں اور ہندوستانی عوام کی روزمرہ زندگی کے متعلق فلمیں دکھائی جاتی ہیں اس سے بھی ہمیں کافی مدد ملتی ہے۔

سوال:- اردو روس کی کن زبانوں سے مشابہت رکھتی ہے جواب صرف ازبک سے جو ازبکستان کے پایۂ تخت تاشقند میں کثرت سے بولی جاتی ہے ازبک میں اردو کے بہت سے الفاظ رائج اور مستعمل ہیں اس کے علاوہ ازبک میں عربی اور فارسی الفاظ بھی بکثرت ملتے ہیں آپ کی اطلاع کے لیے عرض کرتا ہوں کہ خاک وطن کی زبان ازبک ہی وجہ ہے کہ ازبک چونکہ اردو سے ملتی جلتی ہے اس لیے یہ زبان مجھے بے حد پسند ہے۔

سوال:- آپ کے یہاں اردو کے کن شعراء اور ادیبوں پر کام ہو چکا ہے مجھے یاد ہو تو بتلایئے۔

جواب:- جہاں تک مجھے یاد ہے کرشن چندر، پریم چند، فیض احمد فیض، علی سردار جعفری کے علاوہ غالب اور میر پر بھی کام ہو چکا ہے اور وہاں تاریخ ادب بھی لکھی جا چکی ہے۔

سوال:- اس سال اردو تحقیقی کام کے سلسلے میں روس سے کتنے طالب علم تشریف لائے ہیں ان کے نام بتایئے۔

جواب:- سال حال اردو کے تحقیقی کام کے سلسلہ میں حکومت روس نے چار طلبہ کو بھیجا ہے جن میں ناچیز بھی شامل ہے میرے علاوہ مسٹر کامل، عبدالرحمن، مسٹر ڈگونا اور مسٹر نیوی کوف لکھنؤ یونیورسٹی آئے ہوئے ہیں۔

سوال:- یہاں سے جانے کے بعد آپ کو روس میں کس قسم کے کام ملتے ہیں؟

جواب:- یا تو ہم اردو کے استاد بن جائیں گے یا پھر دار الترجمہ یا ریڈیو یا مرکزی سائنس اکاڈیمی سے وابستہ ہو جائیں گے ہمارے یہاں ڈگری پا کام ملنے میں دیر نہیں لگتی۔

دیوی چند پرشاد شگفتہ بدایونی

مرزا غالب کی ایک اردو تقریظ

مرزا رجب علی بیگ سرور جو مرزا غالب کے ہمعصر تھے اور جنھوں نے مرزا غالب سے ایک سال پہلے یعنی ۱۲۸۴ھ میں وفات پائی، اردو تذکروں میں ان کا ذکر ایک شاعر کی حیثیت سے نہ ہونے کے برابر ہے۔ تذکرہ "گلستان بےخزاں" میں چند سطریں ان کے متعلق مل جاتی ہیں اس میں ان کی تاریخ وفات اور تاریخ پیدائش کے سلسلے میں کوئی معلومات نہیں ہوتی۔ مرزا سرور کے ایک دوست اور ہمعصر شاعر منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی نے ان کی قطعہ تاریخ وفات اپنے اردو دیوان "مسحور ساحری" میں لکھی ہے ملاحظہ فرمایئے۔

مرد چوں شاعرِ بے مثل سرور
در جہاں شورِ شغب کرد ظہور
سبت جاری بزبان سحر کس
ہائے آمد الم و رفت سرور

۱۲۸۴ھ

مرزا سرور نے "حدائق العشاق" کا ترجمہ نثر "گلزار سرور" کے نام سے مہاراجہ ایشوری پرشاد نرائن سنگھ بہادر کاشی نریش والیِ بنارس کی فرمائش سے کیا تھا۔ اس ترجمہ میں مرزا سرور کو حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی ہے کیونکہ انھوں نے ساری قوت اس ترجمے پر لگا دی ہے ورنہ عام طور سے ترجموں میں اصل کی روح نہیں پیدا ہوتی ہے۔ مرزا غالب نے ایک اردو تقریظ "گلزار سرور" پر لکھی ہے۔ یہ تقریظ آج تک غالب کے کسی نثر کے مجموعہ میں شایع نہیں ہوئی ہے تقریظ حسب ذیل ہے۔

سبحان اللہ خدا کی کیا نظر فروز صنعتیں ہیں۔ تعالیٰ اللہ کیا حیرت اور قدرتیں ہیں۔ یہ جو "حدائق العشاق" کا فارسی زبان سے عبارت اردو میں نگارش پایا ہے۔ ارم کا زمین دنیا سے اٹھ کر بہارستان قدس کا باغ بن جاتا ہے وہاں حضرت رضوان ارم کے خلد بند آباد ہوئے یہاں مرزا رجب علی بیگ صاحب سرور حدائق العشاق کے صحیفہ نگار ہوئے اس مقام پر یہ ہیچمیرز جو موسوم بہ اسد اللہ خاں اور مخاطب بہ نجم الدولہ اور متخلص بہ غالب ہے خدائے جہاں آفریں سے توفیق کا اور خلق سے انصاف کا طالب ہے۔ ہاں اے صاحبانِ فہم داد اس کی سرور سحربیان کا اردو کی نثر میں کیا پایہ ہے اور اس بزرگوار کا کلام شاہدِ معنی کے واسطے کیا گراں بہا پیرایہ ہے ؎

بزم کی داستان گر سنیے ہے زبان ایک تیغ جوہر دار[1]
رزم کا التزام گر کیجیے ہے قلم ایک ابرِ گوہر بار

مجھ کو دعویٰ تھا کہ انداز بیان شوخی تحریر میں فسانہ عجائب بےنظیر ہے جس نے میرے دعوی کو اور فسانہ عجائب کی یکتائی کو مٹا دیا وہ یہ تحریر ہے۔ کیا ہوا اگر ایک نقش دوسرے کا ثانی ہے یہ تو ہم کہہ سکتے نہیں کہ نقاش لاثانی ہے۔ مانی نقاش یعنی صورتیں بنا کر پیمبری کا دعویٰ کرے کیا عقل کی کمی ہے۔ یہ بندۂ خدا معنی کی تصویر کھینچ کر دعوائے خدائی نہ کرے کس حوصلے کا آدمی ہے۔ سچ تو یوں ہے کہ جناب مہاراجہ صاحب والا مناقب عالی شان ایشری پرشاد نرائن سنگھ بہادر جس باغ کی آرائش کے کارفرما ہوں اور پھر اس پر یہ طرّہ یہ کہ مرزا سرور چمن آرا ہوں وہ باغ کیا جو گلِ بہشت نہ ہوگا قادر کیا ہوگا۔ کوئی نہ کہے کہ یہ درویش گوشہ نشین مشغول ذکر کیوں ہے بے دیکھے بھالے حضور کا ثناگستر کیوں ہے۔ صاحبو! حاتم سے ہم نے کیا دولت پائی ہے؟ کہ اس کی سخاوت کی ثنا کرتے ہیں رستم سے کہاں شکست کھائی ہے کہ اس کی شجاعت کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ جناب مہاراجہ صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان بابو پرسدھو نرائن کا مورد عنایت رہا ہوں جن دنوں وہ دلی میں تشریف لائے ہیں اکثر اوقات شریک صحبت رہا ہوں۔ جب آشنائی اور بیگانگی درمیان نہ ہو تو ان کا نیاز مند کیوں ان کا ثناخوان نہ ہو۔ نہیں نہیں میرا کیا منہ ہے ثناخوانی کا میں تو عاشق ہوں ان کی شاعر پروری و سخندانی کا۔ حضور نے قدردانی کی سرور نے جگرفشانی کی۔ حضور کا اقبال سرور کا کمال حضور کی عالی ہمتی سرور کی خوش قسمتی ان شاء اللہ تعالیٰ یہ نقش صفحۂ روزگار پر یادگار رہے گا۔ مصنف کا شہرۂ رنگین بیانی میں مہاراج عالی جاہ کا نام فیض رسانی میں تا روز شمار رہے گا فقط۔

[1] یہ نظم مرزا کے دیوان میں میری نظر سے نہیں گذرا۔ دیوی چند پرشاد شگفتہ

انجمن ترقی اردو ہند کا سہ ماہی رسالہ

اردو ادب شمارہ نمبر ۳

شایع ہو گیا

اس شمارہ کے لکھنے والوں کی تخلیقات اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو — گلشن ہند
شمس الرحمٰن فاروقی — خواجہ میر درد
تاراچند نرائن بسمل — جگر بریلوی کی غزل
ڈاکٹر حکم چند نیر — نوادر چکبست

ضخامت ۲۲۶ صفحات

قیمت تین روپے

پتہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

تضمین بر کلامِ اقبالؒ

محمد منشاء الرحمٰن خاں منشا

ذوقِ نظر بلند رکھ جلوۂ عام سے گذر
کیف و نشاطِ زیست کی حسرتِ خام سے گذر
گرمِ سفر مدام رہ فکرِ قیام سے گذر
تو ابھی رہگذر میں ہے قیدِ مقام سے گذر
مصر و حجاز سے گذر پارس و شام سے گذر

لذتِ سرخوشی ہے اور غم کا مزا کچھ اور ہے
کذب و ریا ہے اور شے صدق و صفا کچھ اور ہے
حاصلِ جذب و مستیٔ اہلِ وفا کچھ اور ہے
جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گذر بادہ و جام سے گذر

رشکِ مہِ تمام ہے اس کی جبینِ تابدار
رہزنِ قلب و ہوش ہے اس کا جمالِ زرنگار
اس کی نگاہ پر خمار اس کا شباب سحر کار
گرچہ ہے دلکشا بہت حسنِ فرنگ کی بہار
طائرکِ بلند بال دانہ و دام سے گذر

عصر میں بے نظیر ہے تیرا وفورِ شوق و جذب
تیرے ہی دم سے زندہ ہے نامِ مغانِ حرب و ضرب
عزم کو تیرے سرنگوں کر نہیں سکتے رنج و کرب
کوہ شگاف تیری ضرب تجھ سے کشادِ شرق و غرب
تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے گذر

تجھ کو ڈبو نہ دے کہیں کثرتِ علم کا غرور
تیرا دماغ ہو نہ جائے نشۂ آگہی میں چور
صدق و خلوص کے بغیر بندگی، عقل کا فتور
تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گذر ایسے امام سے گذر

صورِ اسرافیل

مظفر حنفی

اب تو بستر کو جلدی سے تہہ کر چکو،
نغمہ ہاتھوں میں ہے تو اسے پھینک دو،
اپنے بچوں کی جانب سے منہ پھیر لو،
اس گھڑی بیویوں کی نہ پروا کرو،
راہ میں دوستوں کی نظر سے بچو،
اس سے پہلے کہ تعمیل میں دیر ہو،
سائرن بج رہا ہے،
چلو دوستو!

غزلیں

مدحت الاختر

لب پہ جب ان کا نام آتا ہے　　حسرتوں کا سلام آتا ہے
غم کو اتنا بھی رائیگاں نہ کہو　　غم محبت میں کام آتا ہے
مقتلِ غم میں وہ بھی ہیں ہم بھی　　دیکھیں اب کون کام آتا ہے
یاد آتے ہیں بھول سے چہرے　　جب محبت کا نام آتا ہے
دیکھ کر یہ اداس راہ گزر　　یاد وہ خوش خرام آتا ہے
وہ تو آتے نہیں مگر مدحت　　اب بھی ان کا پیام آتا ہے

بشیر احمد شہید

حسین الفاظ کا انبار حسنِ معنوی ٹھہرا　　وقوفِ ظاہری گویا شعورِ باطنی ٹھہرا
محبت دم بخود سی ہے، وفائیں سہمی سہمی ہیں　　غرض مندی کا سجدہ اب خلوصِ دوستی ٹھہرا
گئے تھے میکدے میں ہم کہ شاید غم غلط ہوگا　　وہاں بھی پاؤں پڑ کر التجا اب لازمی ٹھہرا
خدا سے بدگمانی آج کل جادو بیانی ہے　　خدائی کا تصور انتشارِ بندگی ٹھہرا
بہت برہم ہیں سادہ دل صداقت میدانِ سیاسی ہیں　　یہاں بے موت مرنا بھی وفا و زندگی ٹھہرا
سفینہ ہے بھنور میں ناخدا حیران و پریشاں ہے　　اکیلا کیا کرے وہ بھی تو آخر آدمی ٹھہرا
شہید اس دور میں دیکھی یہ نیرنگی محبت کی　　جو کل تک راز داں تھا آج وہ بھی اجنبی ٹھہرا

قمر سنبھلی

غرض کیا برق کو اب گلستاں سے　　اسے تو ضد تھی میرے آشیاں سے
جہاں سب کے نکل آئے تھے آنسو　　ذرا دہرایئے قصہ وہاں سے
نیا گلشن میں کوئی گل کھلا ہے　　دھواں سا اٹھ رہا ہے آشیاں سے
ملے گی بالیقیں منزل ملے گی　　ذرا تو کام لو عزمِ جواں سے
وہ آئے ہیں تو میں کھویا ہوا ہوں　　کہوں اب رازِ دل کس کی زباں سے
نہ پوچھو اس کی مایوسی کا عالم　　بھٹک کر رہ گیا جو کارواں سے
قمر میں سن کے بے خود ہو رہا ہوں　　خود اپنی داستاں ان کی زباں سے

ساحل رشید

ہم نے اس طرح زندگی کی ہے　　اک زمانہ میں روشنی کی ہے
یہ شبِ غم، مہیب سناٹا!　　کیا اندھیروں نے روشنی کی ہے
ہم تو کانٹوں کے درمیاں گذرے　　دشمنوں سے بھی دوستی کی ہے
بادِ صرصر سی چل رہی ہے نسیم!　　کتنے غنچوں نے خودکشی کی ہے
ہم جو اک موڑ پہ چلے آئے
اک زمانہ کی رہبری کی ہے

مراسلات

علامہ اقبال کے ایک شعر کا مفہوم

جناب فقیر سید وحید الدین نے "روزگارِ فقیر" کے نام سے آرٹ پیپر پر دو جلدوں میں ایک نہایت دیدہ زیب مصور کتاب کراچی سے شایع کی ہے (لائن آرٹ پریس (لمیٹڈ) کراچی) ۔ اس کتاب کی جلد اول کا پہلا اڈیشن ۱۹۵۰ء میں شایع ہوا پھر خفیف معنوی اضافوں کے ساتھ یہ کتاب ۱۹۶۲ء میں دوبارہ چھپی۔ کتاب کو اتنا حسنِ قبول حاصل ہوا کہ ۱۹۶۶ء تک اس کے سات اڈیشن نکل گئے۔ دوسری جلد پہلی بار ۱۹۶۴ء میں شایع ہوئی اور ۱۹۶۵ء میں اس کا بھی دوسرا اڈیشن نکل گیا۔

"روزگارِ فقیر" علامہ اقبال کی مستقل سوانح عمری نہیں ہے لیکن اس کتاب میں بہت سی ایسی باتیں درج ہیں جن کو بنیاد بنا کر علامہ اقبال کی ایک بہت اچھی سوانح لکھی جا سکتی ہے۔ اس کتاب میں شاعرِ مشرق کی زندگی کے بعض ایسے پہلو پیش کیے گئے ہیں جن کی طرف ان کے سوانح نگاروں کی نظر نہیں گئی ہے۔ اس کی حیثیت بڑی حد تک شاعرِ مشرق کے ملفوظات کی سی ہے اور جیسا کہ خود اس کے مرتب نے اپنے افتتاحیہ میں بتایا ہے" اس کتاب کا بنیادی موضوع "اقبال بحیثیت شاعر" نہیں، "اقبال بحیثیت انسان" اور "اقبال بحیثیت عاشقِ رسول" ہے

اسی "روزگارِ فقیر" کی جلد اول کے ص ۱۷۸ - ۱۷۹ پر علامہ اقبال کے ایک شعر کے بارے میں یہ نہایت دلچسپ واقعہ درج ہے۔

شعر کا مفہوم

۱۹۳۰ء میں نواب زادہ راحت سعید خان (چھتاری) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھتے تھے۔ ایک روز ان کے استاد پروفیسر آل احمد سرور سے ڈاکٹر صاحب کے اس شعر پر ان کا اختلاف ہو گیا ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

یہ شعر "بالِ جبریل" کا سرنامہ ہے اور مفہوم سنسکرت کے مہاکوی بھرتری ہری سے مستعار لیا گیا ہے، یا یوں کہیے کہ اس کے دوہے یا چھند کا ترجمہ ہے۔

استاد کا زاویۂ نگاہ یہ تھا کہ مصرعۂ اولیٰ استفہامیہ ہے اور اس میں اندازِ بیان یہ ہے کہ بھلا پھول کی پتی ہیرے کو کاٹ سکتی ہے اور جب پھول کی پتی سے ہیرا نہیں کٹ سکتا تو ناداں انسان پر نرم و نازک نصیحت کیوں کر کارگر اور اثر انداز ہو سکتی ہے؟۔

شاگرد کا انداز مثبت تھا اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ تو ممکن ہے کہ پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کاٹ کر رکھ دیا جائے۔ لیکن مردِ ناداں پر نرم و نازک بات کا اثر ہو یہ ممکن نہیں۔

بحث خاصی طویل ہو گئی۔ استاد اور شاگرد دونوں اپنے اپنے موقف پر جمے ہوئے تھے۔ آخر طے پایا کہ ڈاکٹر صاحب سے شعر کا مفہوم دریافت کیا جائے۔ چنانچہ لاہور خط لکھا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

"ہر دو مفہوم اپنی جگہ خوب ہیں۔ لیکن میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، اسے آنے والا وقت بخوبی سمجھا سکے گا۔"

اب سوال یہ ہے کہ دراصل اس شعر کا مفہوم کیا ہے؟

بالِ جبریل کی اب تک دو معروف شرحیں چھپ چکی ہیں ایک مولانا غلام رسول مہر کی "مطالب بالِ جبریل" دوسری پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی "شرح بالِ جبریل" مولانا غلام رسول مہر نے اس شعر کی تشریح یوں کی ہے۔

"زیرِ غور شعر بھرتری (کذا) کے مندرجۂ ذیل حکیمانہ قول سے ماخوذ ہے:

"عقل کے زور سے کسی شخص کا کسی مورکھ کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرنا ایسا ہی بے سود ہے جیسا کہ کسی شخص کا مست ہاتھی کو کنول کے ڈنٹھل سے روکنا یا مرس (کذا) کے نازک ریشوں سے ہیرے میں چھید کرنا۔

"اقبال کہتے ہیں کہ پھول کی پتی ہیرے کا جگر کاٹ سکتی ہے اور یہ ناممکن ممکن بن سکتا ہے۔ لیکن بے سمجھ آدمی پر نرم و نازک کلام کا اثر کچھ نہیں ہو سکتا۔"

(مطالب بالِ جبریل، ص ۵۔ کتاب منزل لاہور)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اس شعر کی شرح یوں کی ہے:

"یہ شعر راجہ بھرتری ہری کی تصنیف کے پہلے حصہ موسومہ نیتی اشٹک کے چھٹے اشلوک سے ماخوذ و مقتبس ہے۔ پورا اشلوک اس طرح ہے:

"کسی شخص کا اپنے عقلی استدلال کے زور سے کسی مورکھ کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرنا ایسا ہی بے سود ہے جیسا کسی شخص کا مست ہاتھی کو کنول کے ڈنٹھل سے روکنا یا سترش (کذا) کے نازک ریشوں سے ہیرے میں چھید کرنا۔"

"اقبال نے اس اشلوک کے پردہ میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ اگرچہ بالِ جبریل میں ایک سے ایک بڑھ کر علمی نکتے بیان کیے گئے ہیں لیکن جو لوگ

عقل و فہم سے عاری ہیں ان کو اس کتاب سے
کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔
(شرح بال جبریل ص ۴۴ - ۴۵۔ عشرت پبلشنگ
ہاؤس۔ لاہور)

شاعر مشرق کے ان دونوں شارحوں نے مذکورۂ بالا شعر کا قریب قریب وہی مفہوم بیان کیا ہے جو نواب زادہ راحت سعید (چھتاری) نے پیش کیا تھا۔ علامہ اقبال نے راجہ بھرتری ہری کے جس سنسکرت اشلوک سے اپنے شعر کا مفہوم لیا ہے وہ بھی ان دونوں شارحین اور نواب زادہ راحت سعید خاں کے بیان کردہ مطلب کی تائید کرتا ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور نے جو مفہوم اس شعر کا سمجھا ہے وہ بھی بے شک اس شعر سے نکلتا ہے۔ لیکن راجہ بھرتری ہری کے اشلوک کے مفہوم سے مطابق نہیں ہے۔

شاعر مشرق سے جب یہ معاملہ رجوع کیا گیا تو انھوں نے عجیب گول مول سی بات کہی۔

"ہر دو مفہوم اپنی جگہ خوب ہیں۔ لیکن میں جو کچھ
کہنا چاہتا ہوں اسے آنے والا وقت بخوبی سمجھ
سکے گا!"

کیا ایسا تو نہیں کہ علامہ اقبال خود بھی نواب زادہ راحت سعید خاں کے بیان کردہ مفہوم ہی سے اتفاق کرتے تھے لیکن معاملہ چونکہ استاد اور شاگرد کا تھا (شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد!) اس لیے استاد کی عزت کے خیال سے گول مول سی بات کر معاملہ کو خوش اسلوبی کے ساتھ ختم کر دیا؟

اگر یہ مفروضہ درست نہیں ہے تو پھر اس شعر سے واقعی علامہ اقبال کا مفہوم کیا ہے؟ "میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اسے آنے والا وقت بخوبی سمجھ سکے گا۔" "آنے والا وقت" سے ان کی کیا مراد ہے؟ کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا؟ نہیں آیا تو کب آئے گا؟ اگر وہ وقت آ گیا تو اس نے اس شعر کا کیا مفہوم سمجھا ہے؟ اور ابھی یہ وقت نہیں آیا اور آنے والا ہی ہے تو اس شعر کا مفہوم کیا سمجھا جائے گا؟

یہ ایک دلچسپ بحث ہے۔ کلام اقبال پر نظر رکھنے والے اس پر اگر روشنی ڈال سکیں تو شعر اقبال کو مدرسہ میں لے جانے والوں کی رہنمائی کا باعث ہوگا۔

(سید عابد الدین رفعت)

بہار کابینہ کا فیصلہ اردو تعلیم کے حق میں زیادہ مفید نہیں ہے

اخبار "ہماری زبان" مورخہ یکم مارچ ۱۹۹۶ء میں بہار کابینہ کے ایک فیصلہ کا ذکر ہے جس کے ذریعہ اس نے دفعہ ۳۴۰ کے مطابق اردو کے جائز مقام تسلیم کرنے کے سلسلہ میں صدر کے ذریعہ ایک اعلان کے لیے مرکزی حکومت سے رجوع کرنے کا فیصلہ کیا ہے کابینہ کے فیصلہ کے مطابق پرائمری اسکولوں میں ۴۰ طلبہ کا ہونا ثانوی سطح پر اداروں میں ۶۰ طلبہ یا ایک کلاس میں ۱۰ طلبہ کا ہونا ذریعہ تعلیم ضروری قرار دیا ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ کوئی اردو کو اس کا جائز حق دینے کے لیے تیار نہیں ہے یہ تعداد کا گورکھ دھندا جب تک جاری رہے گا اردو تعلیم ہو نہیں سکتی۔ جب ۱۹۴۷ء تک ہر بچہ پڑھ چکا ہو جائے دس ہوں کوئی تعداد ہو اس کو اردو پڑھائی جاتی تھی کوئی دقت نہیں تھی تو اب تعداد کی قید کیسی اور کیوں قید لگائی جاتی ہے کبھی کوئی ایسا حکم تو دیا نہیں تھا کہ اردو کی تعلیم بند کر دی جائے جب اردو پڑھنے کا حکم ہوتا ہے تو تعداد سامنے کر دی جاتی ہے کون جا کر تعداد دریافت کرے گا اگر کسی استاد نے نہیں بتایا تو وہ بیچارہ کیا کرے گا یوں تو جہاں تعداد ایسی ہے بھی وہاں بھی دقت اٹھانی پڑتی ہے۔ شکایت کرنے پر نہ کوئی سنتا ہے اور نہ کوئی جواب دیتا ہے نہ قصوروار سے باز پرس ہوتی ہے نہ افسران توجہ کرتے ہیں یہی حال ۱۸-۱۹ سال سے ہے اور بچے اپنی مادری زبان سے بے بہرہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

دوسری یہ کہ یہ تو اس فیصلہ کے بھی خلاف ہے جو مرکزی گورنمنٹ کے ہوم ڈیپارٹمنٹ سے ۱۴ جولائی ۱۹۵۸ء کو جاری ہو چکا ہے جس کے ذریعہ سب بچوں کو جن کی مادری زبان اردو ہے پرائمری درجات میں اردو پڑھنے کی ہدایت ہے تعداد کی کوئی قید نہیں ہے۔ اردو ٹریننگ کا بھی حکم ہے ۱۹۴۸ء سے پہلے یہ قاعدہ یوپی میں تھا کہ بغیر دونوں زبان اردو ہندی پاس کے کوئی ٹیچر ڈسٹرکٹ بورڈ میں منتخب ہی نہیں ہوتا تھا اور نہ درخواست ہی دے سکتا تھا۔ یہی حال بہار میں بھی رہا ہوگا یہ حکم بند کیوں ہوا اگر اردو داں استادوں کی کمی سے ایسا حکم ہوا ہے تو یہ قصور کس کا ہے اردو کو اس کی سزا کیوں دی جائے اگر اب یہ حکم جاری ہو جائے۔ تو خود بخود امیدوار مثل سابق اردو ہندی پاس کر کے درخواست دیں گے اور یہ مسئلہ آسانی سے حل ہو جائے گا جب الگ فیصلہ ۱۹۵۸ء میں ہو چکا ہے پھر اس ترمیم کی ضرورت کیا ہے اگر اردو کو اس کا جائز حق دینا ہے تو ہر بچہ کو اس کی مادری زبان میں تعلیم دی جانی چاہئے اس سے بچہ جلدی سمجھ لیتا ہے دماغ میں وسعت ہوتی ہے بچہ کو ترجمہ کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی اور نہ دماغ پر اثر پڑتا ہے۔ اس سے ملتا جلتا فیصلہ وزرائے تعلیم ہند کا اگست ۱۹۴۹ء کا ہے جس کو آل انڈیا کنونشن کہتے ہیں۔ اس پر میں بہت کافی پہلے لکھ چکا ہوں۔

ثانوی درجات میں سہ لسانی فارمولا کے اندر اردو میڈیم کو ان کے اردو بطور مضمون بھی پڑھنے کی دقت ہے زبردستی

سنسکرت پڑھاتے ہیں کمشنر لسانی اقلیت نے اپنی ۳۰ ویں رپورٹ کے پیرا ۱۳۰ میں صاف لکھا ہے کہ سہ لسانی فارمولا میں سنسکرت کی شمولیت سہ لسانی فارمولا IMPLEMENTATION COMMITTEE کے فیصلے کے خلاف ہے علاوہ بریں سہ لسانی فارمولا ہی کے دفعہ اول میں علاقائی زبان کے بعد مادری زبان پڑھنا چیف منسٹرس کانفرنس ۱۹۶۱ء میں طے ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے بہار میں یو۔پی سے زیادہ آسانی ہو مگر تعداد کی قید اردو تعلیم میں رکاوٹ کی باعث ہوگی۔

لہٰذا جب تک یہ نہ ہوگا کہ ہر بچہ کو جس کی مادری زبان اردو ہے بلا قید تعداد اردو پڑھنے تب تک یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اردو کو اس کا جائز حق مل رہا ہے۔

امید ہے گورنمنٹ بہار اس فیصلہ پر اگر قائم ہے تو نظر ثانی کرے گی اور محبان اردو بہار ذریعہ دفد اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

(داتا رسول سکریٹری شعبۂ تعلیم انجمن ترقی اردو بنارس)

ایک استفسار

شعر

اے حسن تو ز شمس و قمر پردہ نمود

در حیرتم کہ دیدہ چرا بے خبر است

شعر مذکور مدت سے ذہنی الجھن کا سبب بنا ہوا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی تقطیع کس وزن سے کی جائے؟ اگرچہ — مفعول۔ فاع لات۔ مفاعیل۔ فعول سے اس کی تقطیع کی جا سکتی ہے جو بادی النظر میں، بحر مضارع۔ مفاعیلن۔ فاع لاتن۔ مفاعیلن۔ فاع لاتن کا ایک وزن معلوم ہوتا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ بحر مضارع میں رکن۔ فاع لاتن۔ مفرد تی ہے جس سے فعول کا استخراج کسی طرح بھی درست نہیں۔ ہاں اگر یہ رکن۔ فاعلاتن۔ مجوی یا متزلی ہوتا تو فعول صحیح تھا۔ موجودہ حالت میں شعر کا صحیح وزن اور بحر کیا ہے؟

واقفان عروض بذریعہ "ہماری زبان" یا براہ راست پتہ ذیل پر مطلع فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

نسیم نیمی (فاضل دیوبند)
جامعہ طبیہ ریوانی میڈیکل کالج
بلی ماران - دہلی ۶

استفسار کے جواب میں

۱۱ دسمبر ۱۹۹۵ء کے "ہماری زبان" میں جناب ایم کمال صاحب نے "چند اصطلاحیں" کے عنوان سے بعض انگریزی لفظوں کا اردو ترجمہ پوچھا تھا جس کے جواب میں ادارہ کی طرف سے صرف BUREUCRACY کا ترجمہ شائع ہوا تھا اور اب دو سرے لفظوں کا ترجمہ درج ذیل ہے

ZOOGRAPHY - حیوانیات بیانی

کیمیائے حیوانی جس میں اجسام حیوانی کے کیمیاوی اجزا کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ZOOCHEMY

MORPHOLOGY (حیوانیات) علم اشکال الاعضا

(نجم الحسن انجم ادیب)

الفاظ کی تشریح

مندرجہ ذیل الفاظ کی تشریح درکار ہے یعنی یہ الفاظ کہاں سے نکلے ہیں اور ان کا ریشہ وغیرہ کیا ہے

"کشتی، بسمل، خرابات، میکدہ، خانقاہ، کمہار، پیر مغان، محراب، نشست۔

(ڈاکٹر امرت لعل عشرت استاد شعبۂ اردو و فارسی

دو بنارس ہندو یونیورسٹی)

وزن یا بحر؟

۲۲ مارچ ۱۹۹۶ء کے "ہماری زبان" میں شفا صاحب گوالیاری نے انجین آرا صاحبہ انجم کے مراسلے (مطبوعہ ہماری زبان ۱۵ دسمبر ۱۹۹۵ء) کا جواب دیا ہے۔ اس مراسلے میں موصوفہ نے سردار جعفری کی غزل کو ساقط الوزن قرار دیا تھا۔ شفا صاحب نے اپنے مراسلے میں بحر متقارب کے زحافات وغیرہ سے بحث کی ہے۔ مجھے اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

عربی عروض منطقی اصول پر حد درجہ منظم ہے۔ یہی اس کی قوت ہے اور یہی اس کی کمزوری۔ مختصر یہ کہ اس نظم موضوعہ کی جڑ بنیاد ہیں سبب، وتد اور فاصلہ۔ ان پر مبنی افاعیل یا تفاعیل یا ارکان یا اصول افاعیل (سب ایک ہی کے نام ہیں)۔ ان سے دائرے بنے۔ دائروں سے بحریں بنیں اور بحروں سے زحافات کی بنا پر متعدد اوزان نکلے۔ شفا صاحب نے عروضی اصطلاحات کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنے مراسلے میں جہاں بحر متقارب کا نقشہ بنایا ہے وہاں نام بحر کے کالم میں مقبوض، اثلم، مقصور وغیرہ لکھا ہے۔ یہ بحر نہیں زحاف بدلنے سے بحر نہیں بدلتی۔ وزن بدلتا ہے۔ وزن کی اصطلاح بحر کی زرع کے لیے مخصوص ہے۔

تیرے شعر: "بتا پا بوڑھا بوڑھا حال ہمارا جانے ہے الخ میں "بتا بتا" کی تقطیع شفا صاحب "فعل فعل" کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ "فعلن فعلن" ہونا چاہئے۔ "فعل" بسکون لام یا بہ تحریک لام بہر صورت غلط محض ہے۔

(ذکا صدیقی رامپور)

انجمن ترقی اردو اتر پردیش کی مجلس عاملہ کا جلسہ

انجمن ترقی اردو اتر پردیش کی مجلس عاملہ کا اجلاس زیر صدارت جناب پنڈت آنند نرائن ملا صاحب سنٹرل ہوٹل امین آباد میں منعقد ہوا جلسہ میں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت فرمائی۔

جناب آل احمد سرور صاحب (مرکزی انجمن علی گڑھ)، جناب قاضی مختار احمد صاحب (ریاستی انجمن سکریٹری)، جناب قاضی عدیل عباسی (بستی)، جناب ڈاکٹر رسول صاحب (بنارس)، جناب شجاعت علی سندیلوی (لکھنؤ) جناب سید فدا حسین صاحب (لکھنؤ)، جناب طاہر محسن علوی صاحب (کاکوری)، جناب راحت علی خاں صاحب (نانپارہ)، جناب رشید احمد صاحب (بارہ بنکی)، جناب ابوالبیان صاحب (شمس آباد) جناب حیات اللہ انصاری صاحب (لکھنؤ)، جناب حکیم ابوالکلام صاحب (گورکھپور)، جناب حکیم عبدالغفار صاحب سید ظہیر عباس صاحب (سہارنپور)، جناب طفیل احمد صاحب (دیوبند)

سابقہ کارروائی کی تصدیق اور سکریٹری صاحب کی رپورٹ کے بعد جماعتی تنظیم کو مضبوط بنانے کے سلسلے میں بالاتفاق رائے طے پایا کہ مرکز کے جنرل سکریٹری جناب آل احمد سرور صاحب جو کہ جلسہ میں موجود تھے ان سے ممبر سازی کی تاریخ میں مزید توسیع کی درخواست کی جائے چنانچہ ان سے موصوف کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ شاخوں کی ممبر سازی کے لیے ۱۰ مئی ۱۹۷۷ء تک اور موقع دیا جائے اور ۳۱ مئی ۷۷ء تک انتخابات کی رپورٹ مع فہرست ممبران و نمائندگان کوٹہ اور زر معاونت ریاستی انجمن کے دفتر میں پہنچ جانی چاہیے تاکہ ۱۸ جون ۱۹۷۷ء کو ہونے والے ریاستی مجلس عاملہ کے انتخاب کے لیے ایجنڈا وقت پر روانہ کیا جاسکے۔

ایک دوسری تجویز میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ اردو کو سرکاری زبان تسلیم کرکے اس کے اجرا و استحکام کے لیے احکام جاری کرے۔

جلسہ میں یہ بھی طے پایا کہ شاخوں کو فعال بنانے کے لیے ایک آرگنائزر کی تقرری کی جائے جو شاخوں کو فعال بنانے کے لیے ضلعوں کا دورہ کرے۔ ریاستی شاخ کے دفتری اخراجات کی کفالت کے لیے کچھ حضرات نے معتدبہ رقم جلد از جلد بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔

(مسلم شمیم۔ آفس انچارج ریاستی انجمن)

انجمن ترقی اردو ہند شاخ ناندیڑ کے انتخابات

انجمن ترقی اردو ہند شاخ ناندیڑ کے انتخابات عمل میں آئے انتخابات کی نگرانی جناب بالاپرشاد وشکلا ایڈوکیٹ نے کی۔

صدر: اے۔ ایس۔ ناگا پورکر

نائب صدر: نواب محمد یوسف الدین حسن دار وحید الدین ال۔ ال ایم ایڈ کیبٹا(۲)

جنرل سکریٹری: محمود عشقی

جائنٹ سکریٹری: نذیر احمد

خازن: محمد عثمان (بابو سیٹھ)

مجلس انتظامی:۔

سردار مہندر سنگھ حضوریہ، مرزا احمد علی بیگ چغتائی، محمد خلیل الدین شاذلی، محمد عبدالوہاب، مسعود دادخان، احمد عبدالستار، عزیز احمد، ڈاکٹر امین الدین شکیل صادق، نعیم قادری، غوث الدین، محمد ابراہیم الزد، غفار راہی، وکیل راؤ گورے، محمد اقبال، جمال علیمی، ڈی ایم نیلیکر، محمد عثمان جابر، حبیب اختر

(نذیر احمد جائنٹ سکریٹری)

انجمن ترقی اردو بمبئی میں مجلس شعرانہ

انجمن ترقی اردو بمبئی کی جانب سے حضرت روش صدیقی کے اعزاز میں ایک مجلس شعرانہ منعقد ہوئی۔

جنرل سکریٹری انجمن سید شہاب الدین دسنوی صاحب نے ابتدائی تقریر میں مجلس شعرانہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ انجمن کی طرف سے پہلے ایسی کئی مجلس شعرانہ منعقد ہو چکی ہیں جن میں بیک وقت ایک شاعر کو اس کا موقع دیا گیا ہے کہ وہ اپنے حالات زندگی اور نظریات کے ساتھ اپنے کلام سے سامعین کو روشناس کرائے۔

اس کے بعد روش صدیقی صاحب نے اپنی ہر نظم و غزل سے پہلے اس کا پس منظر بیان کیا اور اپنی تخلیق سنائی۔ اس طرح روش صاحب کے ذاتی نظریاتی اور فنی حالات تو درجہ سامنے آتے رہے اور شعر و ادب کی اس فضا کا رنگ نکھرتا رہا۔ یہ دلچسپ صحبت وقت مقررہ پر شروع ہو کر تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہی۔

آخر میں ڈاکٹر ایس ایس نشاط (صدر انجمن ترقی اردو بمبئی) نے روش صدیقی اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اس جلسے میں بمبئی کے شعرا و ادبا اور ادب دوست حضرات نے ایک بڑی تعداد میں شرکت کی۔

(ڈاکٹر آفریدی جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو بمبئی)

انجمن ترقی اردو لکھنؤ کا انتخابی اجلاس

چنڈی گڑھ۔ انجمن ترقی اردو لکھنؤ کا انتخابی اجلاس ڈینگو کسرکٹ ہائی اسکول کے لائبریری ہال میں منعقد ہوا انجمن ترقی اردو پنجاب

کے جنرل سکریٹری جناب سورج تنویر نے خاص دعوت پر اجلاس میں شرکت کی اور اپنی تقریر میں اردو زبان کی اہمیت اور انجمن ترقی اردو کے کام پر روشنی ڈالی مقامی انجمن کے جنرل سکریٹری جناب منوہن سنگھ جی نے انجمن ہذا کے سابقہ کام کی رپورٹ کے بعد مقامی شاخ کے اراکین کی فہرست پڑھ کر سنائی جو بہ اتفاق رائے منظور ہوئی۔

آئندہ سال کے لیے انجمن کی مقامی شاخ کے عہدیداران کا مندرجہ ذیل انتخاب عمل میں آیا۔

سرپرستان:-

۱۔ ڈاکٹر بیج ناتھ جی ۲۔ پرنسپل رادھے شیام جی شرما
۳۔ پرنسپل نندلال جی کالرہ ۴۔ لالہ مدن گوپال جی چوپڑہ وشیشاسٹری

صدر:- پروفیسر بی ایل رتن صاحب
نائب صدر:- پروفیسر بی ایس سکسینہ صاحب

جنرل سکریٹری / معہ خزانچی } شری منوہن سنگھ جی

جائنٹ سکریٹری / معہ اڈیٹر } جناب بلبیر کمار جی

اراکین مجلس عاملہ کی نامزدگی کے لیے صاحب صدر کو اختیارات دئے گئے۔

اجلاس کے خاتمہ پر ڈاکٹر بیج ناتھ جی نے اپنے دولتکدہ پر نہایت پرتکلف چائے کی دعوت کا اہتمام کیا۔ جس میں اراکین انجمن مہمان شعرا۔ اور سرکردہ شہری شریک ہوئے۔

انجمن کی انتخابی تقریب کے بعد مقامی بزم ادب کے زیر اہتمام ایک نہایت کامیاب محفل مشاعرہ بھی منعقد ہوئی جس میں حضرات اودے سنگھ شائق۔ نوبہار صابر۔ ساحر سیالکوٹی۔ سورج تنویر۔ کرشن ادیب۔ رشی پٹیالوی۔ جسبیش پٹیالوی۔ راز پٹیالوی کے علاوہ مقامی شعرا نے حصہ لیا۔ (نامہ نگار)

ہندی لازمی نہیں ہوگی!

مدراس۔ آج مدراس کے وزیر تعلیمات نے اسمبلی میں کہا ہے کہ ریاست میں ہندی کو لازمی سبجکٹ کی حیثیت سے نہیں پڑھایا جائے گا۔ (ہند ارچنا)

انجمن ترقی اردو بہار سے پُر زور اپیل

ہم سب طالب علم انجمن کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ آج اردو کو صرف شعر و شاعری، افسانہ نگاری تک ہی محدود کر دیا گیا ہے۔ کالج اور اسکول کی کوئی کتابیں اردو میں نظر نہیں آتی ہیں خصوصاً سائنس و آرٹس کی کتابیں اردو میں بالکل نایاب ہیں موجودہ دور میں اردو کی اہمیت دو زاویے سے کم ہو رہی ہے۔ پہلی وجہ تو حکومت، دوسری کورس کی کتابیں ضبط کی گئی ہیں۔

لہٰذا ہم طلبہ انجمن ترقی اردو بہار سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ اس طرف جلد سے جلد ٹھوس قدم اٹھائے۔ اگر انجمن ایسا نہیں کرتی ہے تو ایک دن اردو، فارسی کی طرح صرف ادیبوں کی زبان بن کر رہ جائے گی۔

(ممبران شمع اردو لائبریری رانچی)

اردو کی حق تلفی کے خلاف احتجاج

نئی دہلی۔ دہلی میٹروپولیٹن کونسل میں ری پبلکن پارٹی کے رکن جناب امداد صابری نے اردو کی حق تلفی کے خلاف احتجاج کرنے کا اعلان کیا ہے کل ایوان میں انھوں نے برسر اقتدار پارٹی کو تنبیہ کیا کہ اگر اس نے ایوان کی کارروائی سے متعلق ضروری کاغذات وغیرہ کی فراہمی کا انتظام نہ کیا اور اپنی موجودہ مخالف اردو روش جاری رکھی تو ایوان کی کارروائی میں رکاوٹ ڈالنے کا طریقہ اختیار کریں گے۔ صابری صاحب نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ اردو جیسی زبان کو جس نے ہماری جنگ آزادی میں بڑی کامیاب مدد کی نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

(ریاست جدید کانپور)

ہر آنے والا لمحہ گذرے ہوئے لمحہ کے مقابلہ میں جدید ہے

ادارۂ مصنفین نو کے زیر اہتمام "اردو شاعری میں جدیدیت" کے موضوع پر ایک سیمینار ہوا۔ موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے سلیمان اریب نے کہا کہ موضوع کی وسعت کے باعث اسے مختلف حصوں میں تقسیم کر دینا چاہیے تاکہ سیر حاصل بحث ہو سکے۔ صفیہ اریب نے کہا کہ ہر آنے والا لمحہ گذرے ہوئے لمحہ کے مقابلہ میں جدید ہے اس لیے مختلف ادوار کا تقابلی جائزہ جدیدیت کے مفہوم کو سمجھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اس سیمینار میں شرکت کرنے والوں میں حکیم یوسف حسین خاں، عاتق شاہ، نور محمد نور، مجتبیٰ حسین تاج مہجور اور امان ارشد کے نام قابل ذکر ہیں۔

(حسن فرخ جنرل سکریٹری ادارہ مصنفین حیدر آباد)

غیر ہندی ریاستوں کو شری جواہر لال نہرو کی یقین دہانی

اس سلسلہ میں جلد ہی ایک بل پارلیمنٹ میں پیش ہوگا

نئی دہلی۔ شری جواہر لال نہرو نے غیر ہندی ریاستوں کو جو یقین دہانی کی تھی اس کو عملی شکل دینے کے لیے پارلیمنٹ میں جلد ہی ایک بل پیش کیا جائے گا۔ یہ بات مسٹر این۔ سی شکلا وزیر مملکت برائے امور داخلہ نے لوک سبھا میں بتائی۔ بل کا مسودہ تیار کرنے سے قبل غیر ہندی ریاستوں سے اس بارے میں مزید مشورے کیے جائیں گے۔

انجمن ترقی اردو پٹیالہ کا انتخابی اجلاس

پٹیالہ۔ اراکین انجمن ترقی اردو ماڈل ٹاؤن پٹیالہ کا ایک خاص اجلاس "رام آشرم" کے وسیع ہال میں زیر صدارت پروفیسر کرپال سنگھ بیدار صاحب منعقد ہوا۔

انجمن ترقی اردو پنجاب کے جنرل سکریٹری جناب سورج تنویر اور انجمن ہذا کے ضلع آرگنائزر جناب کنور چوہان خاص دعوت پر بیرونجات سے شریک اجلاس ہوئے۔

صوبائی انجمن کے جنرل سکریٹری جناب سورج تنویر نے اردو زبان کی اہمیت و افادیت نیز اردو اور پنجابی زبانوں کے باہمی تعلقات پر پر وضاحت روشنی ڈالی۔

عہدیداران کا انتخاب مکمل اتفاق رائے سے عمل میں آیا انتخابی کارروائی کے بعد محفل شعر و سخن منعقد ہوئی جس میں شعرا حضرات نے اپنے بلند پایہ کلام سے حاضرین کو مستفید کیا۔ آخر میں ڈاکٹر گلشیر صاحب نے پروفیسر بیدار صاحب کی طویل علالت سے شفایابی پر اظہار مسرت کے ساتھ حاضرین کو پرتکلف چائے کی دعوت دی انجمن ہذا کے منتخب عہدیداران کی تفصیل درج ذیل ہے۔

سرپرست اعلیٰ

ہز ہائی نس مہارانی مہندر کور صاحبہ آف پٹیالہ ایم۔ پی

سرپرستان

۱۔ پدم شری ڈاکٹر ذوشد وسنگھ صاحب
۲۔ جناب پریم سروپ صاحب آئی اے ایس
۳۔ لسان الاعجاز سردار اودے سنگھ صاحب شائق ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
۴۔ ڈاکٹر گلشیر صاحب
۵۔ جناب پرمیشور سروپ صاحب اے ایف ایم
۶۔ سردار گوردیپ سنگھ ڈھلوں صاحب

صدر: پروفیسر کرپال سنگھ بیدار صاحب
نائب صدر: ۱۔ نوبہار صابر صاحب
۲۔ پروفیسر جگ سنگھ صاحب
جنرل سکریٹری: جناب مہیش پٹیالوی
آفس سکریٹری: جناب جوہر بکاری
فنانس سکریٹری: جناب ساحر شفائی
جلسہ سکریٹری: جناب مدن راہی
آرگنائزنگ سکریٹری: جناب پریم حسرت
آڈیٹر: جناب منیش راحت

اراکین مجلس عاملہ

۱۔ جناب آر ڈی سیال صاحب وفا
۲۔ سردار دھیرج سنگھ
۳۔ جناب رتن چند کھنہ
۴۔ جناب پی سی سنڈن
۵۔ جناب جسونت سنگھ وفا
۶۔ میاں غلام صابر صاحب
۷۔ جناب وجے بہادر سنگھ
۸۔ سیٹھ پرمیشور چند صاحب

(نامہ نگار)

کریم نگر میں دوسری ضلع اردو کانفرنس کا انعقاد

کریم نگر۔ جناب ابو المکارم غازی الدین کمال کریم نگری معتمد انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر نے ایک صحافتی اپیل جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر کی جانب سے اس سال دوسری کریم نگر ضلع اردو کانفرنس منعقد کی جائے گی تاریخوں کا عنقریب اعلان کیا جائے گا پہلی کریم نگر ضلع اردو کانفرنس مارچ ۱۹۷۲ء میں منعقد ہوئی تھی۔

انہی خطوط پر دوسری ضلع اردو کانفرنس کا انعقاد عمل میں آئے گا۔ اس کانفرنس میں پانچ اجلاس منعقد ہوں گے۔ پہلا افتتاحی اجلاس دوسرا مندوبین کا اجلاس تیسرا کاروباری اجلاس ہوگا۔ چوتھے اجلاس میں اردو تعلیم کے مسائل پر غور و خوض کیا جائے گا اور پانچواں اجلاس سمپوزیم کے لیے وقف ہوگا۔ ان کے علاوہ شب نغمہ اور مشاعرے کے پروگرام بھی ترتیب دیئے جائیں گے انجمن ترقی اردو ضلع کریم نگر کی مقامی شاخوں کے عہدہ داروں، اردو کارکنان اردو کے بہی خواہوں اور اردو اساتذہ سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اپنی تجویزیں ۔ اپریل ۱۹۷۷ء تک دفتر انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

(ابو المکارم غازی الدین کمال
کریم نگری معتمد انجمن ترقی اردو شاخ
ضلع کریم نگر (آندھرا پردیش)

ببلوگرافیا اردو ڈراما

آٹھ جلدوں میں

تین ہزار سے زائد صفحات فی جلد

سات روپے

مرتبہ: ڈاکٹر عبد العلیم نامی

پتہ

اورینٹل کالج بک ڈپو بھنڈی بازار بمبئی ۳

تبصرے

تبصرہ

دو ماہی شیرازہ، ثقافت نمبر

اڈیٹر محمد یوسف ٹینگ
پتہ:۔ جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹس، کلچر اینڈ لنگویجز سری نگر
صفحات:۔ ۲۹۶
قیمت:۔ دس روپے

پچھلے چند سالوں سے کشمیر کلچرل اکیڈمی جس سلیقہ، لگن اور اہتمام سے ادب اور دیگر فنون لطیفہ کے فروغ و اشاعت کے لیے کام کر رہی ہے وہ ہر اعتبار سے قابلِ تعریف ہے۔ شیرازہ ایک طرح سے اسی ادارہ کا سرکاری ترجمان ہے اگرچہ اس کو دو ماہ میں ایک بار شایع ہونا چاہیے لیکن پچھلے دو سال سے سال میں ایک بار یا زیادہ سے زیادہ دو بار شایع ہو رہا ہے جس کا ایک ثبوت ۱۹۶۶ء کی جلد ہے۔ زیر تبصرہ شمارہ خصوصاً کشمیری اور اردو کا ہندوستانی تہذیب کے رنگا رنگ پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ مقالہ نگاروں میں بیشتر وہ لوگ شامل ہیں جنھوں نے اس مسئلہ پر ایک عمر غور و خوض کیا ہے اسی لیے ان کے خیالات مربوط اور نتائج معقول اور مدلل ہیں۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس نمبر میں کشمیر کی تہذیبی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیا گیا ہے۔ اور وسیع ہندوستانی تہذیب سے اس کے جغرافیائی ربط و تعلق اور اردو کی رشتہ کا پوری طرح سے سراغ لگا لیا گیا ہے۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ نمبر اس سمت میں ایک خوش آئند قدم ہے۔ علی جواد زیدی، میکش اکبر آبادی اور پروفیسر راجو کے مضامین ہر لحاظ سے اہم اور قابلِ توجہ ہیں۔

فراق صاحب کی غزلوں اور اختر انصاری کی مثنوی کی اس نمبر میں شمولیت سمجھ میں نہیں آئی۔ یوں اختر صاحب کی مثنوی اچھی اور رنگین شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔

صحیح قیمت کو دیکھتے ہوئے اس نمبر کی قیمت دس روپے بہت زیادہ ہے۔

شمشیر و سناں

مرتبہ:۔ ساحر لکھنوی
شائع کردہ:۔ انجمن ترقی اردو لکھنؤ
قیمت:۔ دو روپے

یہ کتاب ان نظموں کا انتخاب ہے جو حالیہ ہند پاکستان جنگ سے متاثر ہو کر اردو شاعروں نے لکھیں۔ ان نظموں نے ایک طرف فوجی جوانوں اور عوام کے حوصلے اور جوش کو بڑھا دیا تو دوسری طرف امن، انسانیت اور محبت کی ان اعلیٰ اقدار کا پرچار کیا جو ہندوستانی تہذیب کی خاصیت اور امتیاز رہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کتاب میں جو نظمیں شامل ہیں ان میں سے بیشتر میں شاعری کم ہے وقتی تاثرات زیادہ ہیں کیونکہ اتفاقات پر دیا ہے وہ قوم اور ملک کے لیے کیسے ہی اہم کیوں نہ ہوں، اچھی شاعری کی توقع کرنا بھی نہیں چاہیے بہر حال اس قسم کی شاعری کی بھی ایک افادیت ہے اور وہ شاعر قابلِ قدر ہیں جو وقت پڑنے پر قلم سے تلوار کا کام لے سکتے ہیں۔ جن شعرا کی نظمیں اس کتاب میں شامل ہیں ان میں آنند نرائن ملا، جوش ملیح آبادی، جگن ناتھ آزاد، سردار جعفری، غلام ربانی تاباں، شمیم کرہانی، شاذ تمکنت، منظر سلیم، حسرت الٰہ آبادی اور ساحر قابلِ ذکر ہیں۔ انجمن ترقی اردو لکھنؤ قابلِ مبارکباد ہے کہ اس نے یہ انتخاب شائع کر کے اردو کے قومی رول اور اہمیت کو اور روشن کر دیا۔

بنیادی اسالیب بیان

عزیز احمد قاسمی
قیمت:۔ ایک روپے پچاس پیسے
ملنے کا پتہ: کمال بک ڈپو دیوبند ضلع سہارن پور

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں شاعری اور نثر کے مختلف اسالیب کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ لہجہ اور آہنگ، موضوع اور مواد کی رعایت اور نوعیت سے شاعر اور نثر نگار جس طرح زبان کو استعمال کرتا ہے اس کی وضاحت کے ساتھ ساتھ مختلف اسالیب کے نمونے مثالوں کے طور پر درج کیے گئے ہیں۔ بیشتر مثالیں نظری خیالات سے ہم آہنگ ہیں اختصار کی وجہ سے بہت سی باتیں تشنہ اور مبہم رہ گئی ہیں۔ اردو اصطلاحات کے لیے جن انگریزی مترادفات کو تحریر کیا گیا ہے ان میں سے اکثر غلط معلوم ہوتے ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی یہ کتاب مفید ہے۔

------x---x------

ہماری زبان
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر کا حوالہ دیں۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ و پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا